یزید کی مذمت پر مشتمل ایک حدیث کی تحقیق:

امام ابن عساکر (المتوفیٰ:۵۷۱ھ) نے فرمایا:

أَخْبَرَنَا أَبُو سَهْلٍ مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أنا أَبُو الْفَضْلِ الرَّازِيُّ، أنا جَعْفَرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، نا مُحَمَّدُ بْنُ هَارُونَ، نا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، نا عَبْدُ الْوَهَّابِ، نا عَوْفٌ، ثَنَا مُهَاجِرٌ أَبُو مَخْلَدٍ، حَدَّثَنِي أَبُو الْعَالِيَةِ، حَدَّثَنِي أَبُو مُسْلِمٍ، قَالَ: غَزَا يَزِيدُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ بِالنَّاسِ، فَغَنِمُوا، فَوَقَعَتْ جَارِيَةٌ نَفِيسَةٌ فِي سَهْمِ رَجُلٍ، فَاغْتَصَبَهَا يَزِيدُ، فَأَتَى الرَّجُلُ أَبَا ذَرٍّ، فَاسْتَعَانَ بِهِ عَلَيْهِ، فَقَالَ لَهُ: رُدَّ عَلَى الرَّجُلِ جَارِيَتَهُ، فَتَلَكَّأَ عَلَيْهِ ثَلاثًا، فَقَالَ: إِنِّي فَعَلْتُ ذَاكَ، لَقَدْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ يَقُولُ: " أَوَّلُ مَنْ يُبَدِّلُ سُنَّتِي رَجُلٌ مِنْ بَنِي أُمَيَّةَ، يُقَالُ لَهُ: يَزِيدُ "، فَقَالَ لَهُ يَزِيدُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ: نَشَدْتُكَ بِاللَّهِ، أنا مِنْهُمْ؟ قَالَ: لا، قَالَ: فَرَدَّ عَلَى الرَّجُلِ جَارِيَتَهُ.

ترجمہ: ابو مسلم نے کہا: صحابی رسول یزید بن ابی سفیانؓ نے اپنی امارت میں لوگوں (رومیوں) کے ساتھ جہاد کیا تو انہیں مال غنیمت حاصل ہوا تو ایک مجاہد کے حصہ میں ایک خوبصورت لونڈی آئی تو صحابی رسول یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ (جو فوج کے امیر و کمانڈر تھے انہوں) نے اس لونڈی کو اپنے لیے رکھ لیا، اس کے بعد یہ مجاہد ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور یزید بن ابی سفیانؓ کے خلاف ان سے مدد مانگی، تو ابوذر رضی اللہ عنہ نے یزید بن ابی سفیانؓ سے کہا کہ: اس مجاہد کو اس کی لونڈی واپس کر دو لیکن یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے ٹال دیا، ابوذر رضی اللہ عنہ نے تین بار ان سے یہی کہا اور تینوں بار یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے ٹال دیا تو ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: بہتر ہے جیسا کہا جارہا ہے ویسا کرو کیونکہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: میری سنت کو سب سے پہلے جو شخص بدلے گا وہ بنوامیہ کا شخص ہوگا جسے یزید کہا جائے گا۔ تو یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کیا میں ان میں سے ہوں؟ ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں۔ اس کے بعد یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے اس مجاہد کو وہ لونڈی واپس کر دی۔

[تاریخ دمشق لابن عساکر، جلد۶۵، صفحہ نمبر ۲۴۹-۲۵۰، التاریخ الاوسط البخاری، جلد۱، صفحہ نمبر ۳۹۷، اتحاف الخیرۃ للبصیری، جلد۸، صفحہ نمبر ۸۵، رقم:۷۵۳۵، المطالب العالیہ، جلد۱۸، صفحہ نمبر ۲۷۸، مسند الرویانی، جلد۳، صفحہ نمبر ۳۰۶، رقم:۲۵۳ بحوالہ تاریخ الاسلام للذھبی، البدایہ والنہایہ، جلد۳، صفحہ نمبر ۱۳۵]

امام ابن ابی شیبہ (المتوفیٰ:۲۳۵ھ) فرماتے ہیں:

حَدَّثَنَا هَوْذَةُ بْنُ خَلِيفَةَ ، عَنْ عَوْفٍ ، عَنْ أَبِي خَلْدَةَ ، عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ ، قَالَ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ : أَوَّلُ مَنْ يُبَدِّلُ سُنَّتِي رَجُلٌ مِنْ بَنِي أُمَيَّةَ.

ترجمہ: ابو العالیہ نے ابوذر کے حوالے سے بیان کیا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا: سب سے پہلے میری سنّت کو بنو امیّہ میں سے ایک شخص بدلے گا۔

[مصنف ابن ابی شیبہ ط عوامہ، جلد۱۹، صفحہ نمبر ۵۵۴، دلائل النبوۃ للبیقھی، جلد ۶، صفحہ نمبر ۴۶۷، الاوائل لابن ابی عاصم، صفحہ نمبر ۷۷، تاریخ اصفہان، صفحہ نمبر ۱۳۲، تاریخ دمشق لابن عساکر، جلد ۶۵، صفحہ نمبر ۲۵۰، الکنی والاسماء للدولابی، جلد ۳، صفحہ نمبر ۳۶۳، السلسۃ الصحیحہ، جلد ۴، صفحہ نمبر ۳۲۹، رقم:۱۷۴۹]

اس روایت کو ان محققین نے حسن قرار دیا ہے:

۱۔ اس روایت کی سند کو شیخ محمد عوّامہ نے مصنف کی تحقیق میں حسن قرار دیا ہے۔**[مصنف ابن أبي شيبة، جلد۱۹، صفحہ نمبر ۵۵۴]**

۲۔ اس کے علاوہ حافظ زبیر علی زئی صاحب نے بھی اس کو حسن قرار دیا ہے۔**[مجلہ حدیث، مجلہ نمبر:۱۰۳، صفحہ نمبر ۱۹]**

۳۔ اس کے علاوہ شیخ البانی نے بھی اس کو حسن قرار دیا ہے۔**[سلسلہ احادیث صحیحہ، جلد ۴، صفحہ نمبر ۳۲۹، رقم:۱۷۴۹]**

اس روایت کی سند پر کئی اشکال واقع ہوئے ہیں، ان کا جواب بھی اسی تسلسل کے ساتھ نقل کیا جارہا ہے۔

مہاجر بن مخلد کی توثیق:

اعتراض: اس کا راوی مہاجر ابو مخلد ضعیف ہے۔

جواب: یہ راوی صحیح بخاری و مسلم کا راوی ہے۔ علماء نے ان کی توثیق کی ہے۔ معتدل ناقد امام ابنِ عدی رحمہ اللہ نے فرمایا:

عندي إن شاء الله لا بأس به

ترجمہ: ہمارے نزدیک ان شاء اللہ ان میں کوئی حرج نہیں۔

[الکامل لابن عدی، جلد ۲، صفحہ نمبر ۹۰۸]

امام یحیی بن معین رحمہ اللہ نے فرمایا:

ما به بأس

ترجمہ: ان میں کوئی حرج نہیں۔

[تاریخ الدارمي، رقم نمبر:۳۰۱]

امام ابنِ شاہین رحمہ اللہ نے ان کو ثقات میں ذکر کیا اور امام عثمان بن ابی شیبہ رحمہ اللہ سے ان کی توثیق نقل کی ہے۔**[تاریخ أسماء الثقات، صفحہ نمبر ۷۶، رقم:۳۱۶]**

امام ابو داؤد نے ان کو صدوق قرار دیا۔**[سؤالات أبي عبيد الآجري، صفحہ نمبر ۲۶۲، رقم:۳۷۱]**

امام دار قطنی رحمہ اللہ نے ان کی ایک روایت کے تمام رواۃ کو ثقہ قرار دیا، گویا یہ بھی ان کے نزدیک ثقہ ہوئے۔**[السنن الدارقطني، رقم:۱۹۸۰]**

اس کے علاوہ صحیح ابنِ حبّان، صحیح ابنِ خزیمہ وغیرہ میں ان کی روایات ہیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے ان کی روایات کی تحسین کی ہے۔ اس کے علاوہ ان کی کئی آئمہ نے توثیق کی ہیں مگر یہ کافی ہیں۔

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ ان پر بعض آئمہ نے احادیث میں منکرات کی نسبت کی ہے۔ اس لفظ منکر کے سبب یہ راوی ضعیف نہیں ہو جاتا۔ امام نووی رحمہ اللہ نے نقل کیا:

فإنهم قد يطلقون المنكر على انفراد الثقة بحديث

ترجمہ: پس (محدثین) منکر کا اطلاق ثقہ راوی کی منفرد حدیث پر کرتے تھے۔

[شرح مسلم، صفحہ نمبر ۵۷]

نیز جن محدثین نے ان پر منکر احادیث کی نسبت کی ہے، ان میں سے بعض تو متشدد ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ معتدل ہیں مگر وہ لفظ 'منکر' کا اطلاق صرف منفرد احادیث پر کرتے تھے اور اس سے کسی راوی کی تضعیف مقصود نہ ہوتی تھی۔ **[هدي الساري، صفحہ نمبر ۴۵۷]**

الحاصل، یہ روایت اس راوی کے سبب ضعیف نہیں ہو جاتی کیونکہ ان پر ہونے والی جرح اس حدیث کو ضعیف قرار دینے کے لیے ناکافی ہے۔

ابو العالیہؒ کا ابو ذرؓ سے سماع:

اعتراض: ابو العالیہ کا ابو ذرؓ سے سماع درست نہیں، اس لیے یہ روایت ضعیف ہے۔

جواب: بعض محدثین نے یہ بات فرمائی ہے کہ ابو العالیہ اور ابو ذرؓ کا آپس میں سماع درست نہیں۔ عباس الدوری رحمہ اللہ نے کہا:

قلت ليحيى بن معِين سمع أَبُو الْعَالِيَة من أَبِي ذَر قَالَ لا، إنما يروي أَبُو الْعَالِيَة عَن أَبِي مُسلم عَن أَبِي ذَر قَالَ قلت ليحيى من أَبُو مُسلم هَذَا قَالَ لَا أَدْرِي

ترجمہ: میں نے یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے کہا:

"کیا ابو العالیہ نے ابو ذرؓ سے سُنا ہے؟"

انہوں نے جواب دیا:

"نہیں، ابو العالیہ تو ابو مسلم سے ابو ذرؓ تک روایت کرتے تھے"

میں نے پوچھا:

"کیا یہ (والی روایت) ابو مسلم سے ہے؟"

انہوں نے کہا:

"مجھے پتا نہیں"

[كتاب تاريخ ابن معين -رواية الدوري، جلد ۴، صفحہ نمبر ۱۲۰، رقم:۳۴۶۷]

یہ روایت عدم سماع کی دلیل ہے۔ اس کے برعکس امام ابنِ عساکر رحمہ اللہ نے فرمایا:

روى عن أبي بكر على ما قيل وعمر وعلي وابن مسعود وأبي بن كعب وأبي ذر وأبي أيوب وابن عباس وأبي موسى الأشعري وأبي هريرة

ترجمہ: انہوں نے حضرتِ ابو بکرؓ سے روایت کیا ہے جیسا کہ کہا گیا، اور عمرؓ سے، اور علیؓ سے، اور ابنِ مسعودؓ سے، اور ابی بن کعبؓ سے، اور **ابوذرؓ** سے، اور ابو ایوبؓ سے، اور ابنِ عباسؓ سے، اور ابو موسیٰ الاشعریؓ سے اور ابو ہریرہؓ (سے بھی روایت کیا)۔

اور حضرتِ ابوذرؓ سے سماع کی خاص صراحت ذکر کرتے ہوئے اسی صفحہ پر فرمایا:

قدم الشام مجاهدا وسمع بها أبا ذر

ترجمہ: وہ شام جہاد کرنے کے لیے پہنچے اور وہاں انہوں نے ابوذرؓ سے سماع کیا۔

[كتاب تاريخ دمشق لابن عساكر، جلد ۱۸، صفحہ نمبر ۱۵۷]

گویا امام ابنِ عساکر رحمہ اللہ نے خود اس موضوع پر تحقیق کی تھی اور ان کی تحقیق یہی تھی کہ ابوذرؓ اور ابو العالیہؒ کا سماع درست ہے۔ یہی تحقیق امام ذہبی رحمہ اللہ کی بھی تھی۔ آپ نے ابو العالیہ کے تذکرے میں ذکر فرمایا:

سَمِعَ مِنْ: عُمَرَ، وَعَلِيٍّ--وَأَبِي ذَرٍّ

ترجمہ: انہوں نے سنا ہے: عمرؓ سے، علیؓ سے-- اور ابی ذرؓ سے۔

[سير أعلام النبلاء ط الرسالة، جلد ۴، صفحہ نمبر ۲۰۷]

شیخ محمد عوّامہ حفظ اللہ نے بھی اس قول سے استدلال کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ امام ذہبیؒ کے شیخ مزیؒ نے لفظ 'روی' لکھا تھا، جبکہ امام ذہبیؒ نے اس کو 'سمع' میں بدل دیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ امام ذہبیؒ کے نزدیک بھی زیادہ محقق بات یہ ہے کہ یہ صرف روایت کی حد تک نہیں، بلکہ سماع کی حد تک ثابت شدہ بات ہے کہ ابو العالیہؒ نے ابوذرؓ سے روایت کیا ہے۔ [مصنف ابن أبي شيبة، جلد ۱۹، صفحہ نمبر ۵۵۴]

گویا محدثین اور محققین میں اس بات پر اختلاف ہے کہ ابوذرؓ سے ابو العالیہ کا سماع ثابت ہے کہ نہیں۔ بعض آئمہ نے صراحت کے ساتھ سماع کا دعویٰ بھی کیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ تحقیق کے بعد ہی کیا ہے۔ مگر ہمیں اس بات کو مان لینے میں کوئی مسئلہ نہیں کہ امام یحیی بن معین رحمہ اللہ کی بات درست ہے، وہ اس لیے کیونکہ یہ روایت بھی ابو مسلمؒ ہی سے مروی ہے۔

اس روایت کا جو طرق ہم نے ذکر کیا ہے، اس میں صراحت کے ساتھ ابو مسلم کے نام کا تذکرہ ملتا ہے۔ اس لیے یہ روایت متصل ہے۔

زیادتِ ثقہ:

اعتراض: ابو مسلم والا طرق معتبر نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ صرف عبد الوہاب الثقفی نے اس طرق کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ کسی راوی نے بھی ان کے نام کا اضافہ نہیں کیا۔ عبد الوہاب الثقفی اگرچہ ثقہ ہیں، مگر انہوں نے یہاں ایک جماعت کے خلاف زیادت کی ہے اور ان میں معاذ جیسے ثقہ ثبت امام بھی موجود ہیں، اس لیے ان کی یہ زیادت قرائن کی روشنی میں مردود ہے۔

جواب: ہوذہ بن خلیفہ، معاذ بن معاذ العنبری اور سفیان بن عیینۃ نے عوف سے جب اس روایت کو نقل کیا، تو ابو مسلم کے نام کا اضافہ نہیں کیا۔ مگر جب عبد الوہاب الثقفی نے اس کو روایت کیا، تو انہوں نے اس اضافہ کو نقل کیا۔ اس کی دو وجوہات ہیں:

۱۔ امام محمد بن سرین رحمہ اللہ نے فرمایا:

<u>**كان أربعة يصدقون من حدثهم، ولا يبالون ممن يسمعون الحديث: الحسن وأبو العالية، وحميد بن هلال، وداود بن أبي هند**</u>

ترجمہ: چار ایسے آدمی ہیں جو ان سے حدیث بیان کرے (محدثین) اس کو سچّا سمجھتے ہیں! اس بات کی پرواہ نہیں کرتے کہ کس سے سماع کر رہے ہیں، وہ چار یہ ہیں حسن، ابو العالیہ، حمید بن ہلال اور داؤد بن ابی ہند۔

<u>**[سنن الدار قطني، جلد ۱، صفحہ نمبر ۱۷۹]**</u>

گویا محدثین اس بات کی پرواہ ہی نہیں کرتے کہ ابو العالیہ روایت کس سے کر رہے ہیں، اس لیے بعض آئمہ نے قصداً ابو مسلم کے نام کا اضافہ ضروری ہی نہیں سمجھا۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ استدلال کے موقع پر جب صحیح بخاری و مسلم سے روایات پیش کی جاتی ہیں تو سند پیش کرنے کی زحمت بھی نہیں کی جاتی اور صحیحین کا نام ہی کافی ہو جاتا ہے۔ اس کو روایت کی ثقاہت بیان کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اسی طرح ان آئمہ نے بھی ابو العالیہ کی جلالتِ شان کے سبب ان سے روایت کرتے ہوئے ان پر ٹھہر جانا مناسب سمجھا اور وہ آگے نہیں بڑھے۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ابو العالیہ رحمہ اللہ ارسال کرتے تھے، ارسال کا معاملہ تدلیس سے مماثل ہے۔ اکثر یہ ہوتا ہے کہ روایت میں عام طور پر مدلس راوی کا عنعنہ ہی موجود ہوتا ہے مگر کسی ایک جگہ صراحتِ سماع مل جاتی ہے تو وہ بھی کافی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح یہاں بھی ارسال ہی ہے مگر ایک جگہ ایک قسم کی 'صراحتِ سماع' موجود ہے۔ اس لیے ایک مقام پر روایت میں ابو مسلم کا نام نہ ہونا اور ایک مقام پر ہونا سمجھ میں آرہا ہے۔ یہ کوئی باعثِ حیرت چیز نہیں۔

اب یہاں مسئلہ زیادتِ ثقہ کا آتا ہے۔ بعض محدثین مطلق زیادتِ ثقہ کو مقبول سمجھتے ہیں، جبکہ بعض قرائن کی روشنی میں فیصلہ دینے کے قائل ہیں۔ امام ابن عبد الہادی رحمہ اللہ نے فرمایا:

<u>**فمن الناس من يقبل زيادة الثقة مطلقا ومنهم من لا يقبلها والصحيح التفصيل وهو أنها تقبل في موضع دون موضع فتقبل إذا كان الراوي الذي رواها ثقة حافظا ثبتا والذي لم يذكرها مثله أو دونه في الثقة**</u>

ترجمہ: پس لوگوں میں بعض تو وہ ہیں جو زیادتِ ثقہ کو مطلق قبول کرتے ہیں جبکہ بعض (مطلق) قبول نہیں کرتے، اور صحیح بات یہ ہے کہ اس بارے میں تفضیل (افضل کو ترجیح دینا) کی جائے اور کبھی اس کو قبول کیا جائے اور کبھی اس کو قبول نہ کیا جائے۔ پس جب زیادت کرنے والا راوی ثقہ ہو اور نہ کرنے والا بھی ویسا ہی ثقہ ہو یا اس سے کم ثقہ ہو، تو قبول کرلی جائے گی۔

[نصب الرایۃ، جلد ۱، صفحہ نمبر ۲۶۱]

جو آئمہ مطلق قبول کرنے کے قائل ہیں، ان کے نزدیک تو یہ روایت قبول ہی ہوگی۔ مگر جن آئمہ نے قرائن کا ذکر کیا ہے، ان کے نزدیک بھی مقبول ہوگی۔ ان محدثین کے نزدیک بھی عام حالات میں زیادتِ ثقہ مقبول ہی ہے، زیادتِ ثقہ صرف تب مقبول نہیں ہے جب محدثین پر یہ واضح ہو جائے کہ یہاں وہم ہوا ہے۔

حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ نے فرمایا:

وَالزِّيَادَة من الثِّقَة مَقْبُولَة عِنْدهمَا وَعند الْفُقَهَاء إِذا انْضَمَّ إِلَى رِوَايَته مَا (يؤكدها) وَإِن كَانَ الَّذِي لم يَأْتِ بِهِ أَكثر عددا

ترجمہ: ثقہ کی زیادت ان دونوں (بخاری و مسلم) اور فقہاء کے نزدیک مقبول ہے، جبکہ اس روایت کا کوئی مؤید مل جائے خواہ اس زیادت کو جماعت نے بیان نہ کیا ہو۔

[البدر المنیر، جلد ۲، صفحہ نمبر ۶۰۷]

اس روایت میں زیادت کے مقبول نہ ہونے پر جتنے بھی قرائن ہیں، وہ کمزور ہیں۔ شیخ کفایت اللہ سنابلی صاحب نے بعض قرائن بیان کیے ہیں۔ **[یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ، ۱۳۸-۱۳۶]**

اہم قرائن یہ ہیں کہ اس روایت میں جماعت کی مخالفت کی ہے اور یہ کہ خود سے اوثق راوی معاذ بن معاذ کی مخالفت کی ہے۔ اس حوالے سے ہم عرض کردیں کہ عبد الوہاب الثقفی ثقہ ثبت راوی ہیں۔ ان پر صرف اختلاط کی جرح مذکور ہے، مگر وہ ان کی اس روایت کو ضعیف نہیں بنادیتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی یہ روایت محمد بن بشار سے مروی ہے، جن سے ان کا سماع قبل از اختلاط ہے۔ **[تفصیل کے لیے دیکھیں: علمی تحقیقی اور اصلاحی مقالات، جلد ۶، صفحہ نمبر ۳۵۹-۳۶۳]**

اور اس جرح سے معاذ بن معاذ ہر حال میں ان سے اوثق نہیں ہو جاتے، اختلاط سے قبل وہ بھی معاذ بن معاذ العنبری ہی کی طرح ایک ثقہ ثبت راوی ہی تھے۔ دوسرا یہ کہ جرح تو دنیا کے تمام ہی لوگوں پر ہوئی ہے، اس سے بچنا تو ناممکن ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ کو بھی بعض لوگوں نے مدلس بنادیا۔ **[التبیین لأسماء المدلسین، صفحہ نمبر ۵۵]**

بعض جروحات سے راوی کی عمومی ثقاہت پر اثر نہیں پڑنا چاہیئے اور یہ اوثق کا دعویٰ مکمل طور پر انصاف پر مبنی نہیں۔ معاذ بن معاذ العنبری بھی ویسے ہی ثقہ ہیں جیسے کہ عبد الوہاب الثقفی ثقہ ہیں۔ اس لیے زیادتی قبول ہی ہونی چاہیئے۔

دوسرا قرینہ یہ بیان کیا گیا کہ تین ثقہ لوگوں کی جماعت (ہوذہ بن خلیفہ، معاذ بن معاذ اور سفیان) نے مخالفت کی ہے، جو اس بات کا قرینہ ہے کہ عبد الوہاب سے غلطی ہوئی ہے۔ ہوذہ بن خلیفہ والی روایت کے بارے میں عرض ہے کہ امام یحیی بن معین رحمہ اللہ نے فرمایا:

هوذة بن خليفة عَنْ عَوْفٍ ضَعِيفٌ

ترجمہ: ہوذہ بن خلیفہ عوف سے روایت کرنے میں ضعیف ہیں۔

[تاریخ بغدادت بشار، جلد ١٦، صفحہ نمبر ١٤٤]

اسی بنیاد پر امام بوصیری رحمہ اللہ نے ایک روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ **[مصباح الزجاجة في زوائد ابن ماجة، جلد ٣، صفحہ نمبر ٢١٤]** اس جرح مفسّر سے معلوم ہوا کہ عوف سے روایت کرنے میں ہوذہ بن خلیفہ ضعیف ہیں اور یہ روایت بھی عوف ہی سے ہے۔ اس لیے ہوذہ بن خلیفہ کو عبد الوہاب الثقفی کے خلاف پیش کرنا مناسب نہیں۔

مزید براں سفیان بن عیینۃ والی روایت بھی اخبار اصفہان سے شیخ سنابلی نے نقل کی ہے۔ **[تاریخ اصفہان، صفحہ نمبر ١٣٢]** مگر یہ روایت بھی سفیان سے ثابت نہیں، کتاب "***تخريج احاديث كتاب اخبار اصبهان لأبي نعيم***" کے محقق نے اس لیے فرمایا:

سنده ضعيف جده، محمد بن أبان منكر الحديث

ترجمہ: اس کی سند سخت ضعیف ہے، محمد بن ابان منکر الحدیث ہے۔

[تخریج احادیث کتاب اخبار اصبهان لأبي نعيم، صفحہ نمبر ٥٢٨]

لہذا یہ جماعت اب باقی نہیں رہتی ہے، صرف معاذ بن معاذ ہی باقی رہ جاتے ہیں اور ان کی مخالفت پر بھی ہم کلام کر چکے ہیں۔ الحمد اللہ!

ہم کہتے ہیں کہ اس روایت کو تسلیم کر لینے کے قرائن ہمارے پاس موجود ہیں:

١۔ ابو العالیہ رحمہ اللہ ثقہ ثبت امام ہیں، بلکہ بعض نے تو ان کی مراسیل کی تصحیح بھی کی ہے۔ وہ ہر حیثیت سے حُسنِ ظن کے مستحق ہیں۔ اور حُسنِ ظن یہ رکھا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اگر اس روایت کو خود نہیں سنا تھا، تو کسی معتبر شخص سے ضرور سنا ہو گا اور اس کی تصدیق ہی یہ روایت کرتی ہے۔

٢۔ پہلا قرینہ تو یہ کہ اس روایت کے شواہد موجود ہیں، ان کی اسناد اگرچہ ضعیف ہیں، مگر ان کی تعداد زیادہ ہے۔ ایک روایت کا تذکرہ ہم نے بھی کر ہی دیا ہے۔ حضرتِ عبید اللہ بن الجراحؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

لَا يَزَالُ أَمْرُ أُمَّتِي قَائِمًا بِالْقِسْطِ حَتَّى يَكُونَ أَوَّلَ مَنْ يَثْلِمُهُ رَجُلٌ مِنْ بَنِي أُمَيَّةَ يُقَالُ لَهُ : يَزِيدُ

ترجمہ: میری امت کا اَمر ٹھیک ٹھاک ہو گا حتیٰ کہ بنو امیّہ کا ایک شخص اسے بگاڑے گا، جسے یزید کہا جائے گا۔

[مسند ابو یعلیٰ الموصلی، جلد ٢، صفحہ نمبر ١٧٦، رقم: ٨٣٨، ٨٣٧، الفتن لنعیم بن حماد، رقم: ٨١٧ ور قم: ٨٢٤، مسند احمد بن منیع بحوالہ المطالب العالیہ برقم: ٤٤٦٦، المعرفۃ التاریخ للفسوی، جلد ١، صحہ نمبر ٢٩٥، دلائل النبوۃ، جلد ٦، صفحہ نمبر ٤٦٧، تاریخ ابن عساکر، جلد ٦٨، صفحہ نمبر ٤١، تاریخ ابن عساکر، جلد ٦٣، صفحہ نمبر ٣٣٦، مسند البزار، رقم: ١٢٨٤، مسند حارث بن اسامہ، رقم: ٦١٦، اخبار قزوین للرافعی، جلد ١، صفحہ نمبر ٤٧٥]

اس کے علاوہ یہی حدیث مسند ابو یعلیٰ اور فتن نعیم بن حماد میں حضرتِ ابنِ عمرؓ کے حوالے سے بھی مروی ہے۔**[کنز العمال، جلد ۱۱، صفحہ نمبر ۱۶۸]** یہ روایت سعید بن سنان کی وجہ سے ضعیف ہے جن کو جمہور نے ضعیف ہی کہا ہے۔ مگر بعض نے توثیق بھی کی ہے۔ صدقہ بن خالد رحمہ اللہ نے کہا:

حدثني أبو مهدي سعيد بن سنان مؤذن أهل حمص وكان ثقة مرضيا

ترجمہ: ہم نے ابو مہدی سعید بن سنان سے سنا، وہ اہلِ حمص کے مؤذن ہیں اور ثقہ قابلِ اعتماد ہیں۔

[الجرح والتعدیل، جلد ۴، صفحہ نمبر ۲۸]

امام ابنِ عدی رحمہ اللہ نے ان کی تضعیف کی مگر یہ بھی فرمایا:

كان من صالحي أهل الشام وأفضلهم، إلا أن في بعض رواياته ما فيه

ترجمہ: وہ اہلِ شام کے نیک لوگوں میں سے تھے اور ان میں افضل تھے، سوائے یہ کہ ان کی بعض روایات میں وہ ہے جو (کچھ) ہے۔

[الکامل فی ضعفاء الرجال، جلد ۴، صفحہ نمبر ۴۰۳]

ایک ضعیف روایات حضرتِ ابنِ عباسؓ سے بھی اس حوالے سے مروی ہے۔**[الموضوعات لابن جوزی، جلد ۱، صفحہ نمبر ۳۳۶]** روایات کی کثرت ان کے ضعف کو کم کر دیتی ہیں اور قبولیت کی وجوہات میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس لیے قرائن کی روشنی میں ہی ہم اس زیادت کو تسلیم کرتے ہیں۔ اس کے بغیر بھی ہمارا موقف بہت زیادہ کمزور نہیں ہے۔

صحابی کے کردار پر اعتراض:

اعتراض: اس روایت سے ایک صحابی کے کردار پر شک وشبہ پیدا ہوتا ہے۔ ان پر ایک لونڈی غصب کرنے کا گھناؤنا الزام ہے۔

جواب: لونڈی غلام وہ لوگ تھے جن سے مسلمانوں نے جہاد کیا۔ وہ جنگی قیدی بنے تو قیدیوں کا تبادلہ تو اسی وقت ممکن ہے جب کافروں نے بھی مسلمان قیدی بنائے ہوں۔ شکست کی صورت میں کفّار کے قیدی مسلمانوں کے تصرف میں آجاتے ہیں۔ اس حال میں اللہ ربّ العزّت نے قرآن میں حکم دیا:

فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً

ترجمہ: پھر اس کے بعد یا تو (انہیں) احسان کر کے (چھوڑ دو) یا فدیہ لے کر (آزاد کر دو)۔

[سورۃ محمد، آیت نمبر ۴]

مگر مسئلہ یہ درپیش رہتا ہے کہ بسا اوقات جنگی قیدیوں فدیہ نہ دے سکیں اور ان کو بطورِ احسان چھوڑ دینا خلافِ مصلحت ہو، تو غلامی کو اختیار کرنا بہتر تھا۔ اس سے قیدیوں کا ٹھیک انتظام بھی ہو جاتا تھا اور ان کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قید کے ذریعے بے مقصدیت یا موت کا مشاہدہ نہیں کرنا پڑتا تھا۔ اس طرح ان کا ایک بہتر انتظام بھی ہو جاتا تھا اور مسلمانوں ان سے فوائد بھی حاصل کر سکتے تھے، مجاہدین کی بھی حوصلہ افزائی ہوتی تھی۔

سر دار کے پاس یہ اختیار ہے کہ وہ لونڈی غلام کی تقسیم مصلحت اور حالات کے مطابق کرے، نبی کریم ﷺ کی سنّت سے یہ بات ثابت شدہ ہے۔ حضرتِ یزید بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسا کر کے کوئی گناہِ عظیم نہیں کیا تھا، بلکہ اس سے نہ کسی پر ظلم مقصود تھا اور نہ ہی استحصال کی کوئی صورت تھی۔

ہاں، یہ بات ضرور تھی کہ اس مجاہد نے اس قیدی کو حاصل کیا تھا، اس لیے اس کی خواہش تھی کہ یہ اسی کو ملے اور اس نے اسی کے لیے ابو ذرؓ سے التجاء بھی کی تھی۔ حضرتِ ابو ذرؓ نے اس حوالے سے حدیثِ رسول ﷺ سنائی تو انہوں نے اس پر یہ سوال پوچھا کہ کیا اس کے مصداق وہی ہیں؟ حضرتِ ابو ذرؓ نے نفی کر دی تھی، اس کے باوجود حضرتِ یزید بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لونڈی واپس کر دی تھی۔ یہ تو تقویٰ اور رجوع کی عمدہ مثال ہے۔ یہ تو کمالات میں سے ہے اور صحابہ کا تقویٰ اور ورع ثابت کرنے والی بات ہے۔ انصاف پسندی سے فیصلہ کیجیے کہ کیا اس سب ایک صحابیِ رسول ﷺ کے کردار پر کوئی شک وشبہ پیدا ہوتا ہے؟ ایسی بیشمار مثالیں موجود ہیں کہ صحابہ سے غلطی ہوئی اور انہوں نے اس شان سے توبہ کی کہ وہ باعثِ فضیلت بات بن گئی۔ حضرتِ ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصّہ تو صحیحین میں مذکور ہے۔

باقی اس روایت میں لفظ '*فاغتصبها*' صحابی کے شایانِ شاں نہیں تھا، مگر یہ یا تو حضرتِ ابو ذرؓ کے الفاظ ہیں یا راوی کی غلطی ہے۔ دونوں ہی صورتوں میں اس کو صحابی کے کردار کے خلاف گمان نہیں کرنا چاہیئے، بلکہ روایات کو ٹھیک سے پڑھا جائے، اس میں تو فضیلت ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی تعلیل:

اعتراض: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو معلول قرار دیا ہے۔

جواب: امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے:

رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِي التَّارِيخِ وَأَبُو يَعْلَى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُثَنَّى عَنْ عَبْدِ الْوَهَّابِ. ثُمَّ قَالَ الْبُخَارِيُّ: وَالْحَدِيثُ مَعْلُولٌ ولا نعرف أَنَّ أَبَا ذَرٍّ قَدِمَ الشَّامَ زَمَنَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَقَدْ مَاتَ يَزِيدُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ زَمَنَ عُمَرَ فَوَلَّى مَكَانَهُ أَخَاهُ مُعَاوِيَةَ

ترجمہ: اسے بخاریؒ نے تاریخ میں روایت کیا، اور ابو یعلیٰ نے محمد بن مثنی سے عبد الوہاب کے طرق سے (اس کو روایت کیا)، پھر بخاریؒ نے کہا اور یہ حدیث معلول ہے۔ اور یہ چیز معروف نہیں کہ ابو ذرؓ عمر بن الخطابؓ کے دور میں شام آئے اور یزید بن ابی سفیان کی وفات حضرتِ عمرؓ کے دور میں ہوئی اور ان کی جگہ حضرتِ معاویہؓ کا تقرر ہوا۔

[البدایۃ والنہایۃ ط الفکر، جلد ۸، صفحہ نمبر ۲۳۱]

درج ذیل عبارت امام بخاری رحمہ اللہ کی کتاب "التاریخ الاوسط" میں یہ بات موجود ہے، مگر 'معلول' کے الفاظ موجود نہیں۔ **[التاریخ الاوسط، جلد ۱، صفحہ نمبر ۳۹۷-۳۹۸]**

عرض ہے کہ اس کتاب کو کئی نسخوں کی مدد سے شائع کیا گیا ہے جن میں سب سے قدیم نسخہ خود امام بخاری رحمہ اللہ کے زمانے کا قریب ترین نسخہ ہے۔ اس نسخہ کو ان کے شاگرد ثقہ ثبت امام عبد اللہ بن احمد بن عبد السلام الخفاف رحمہ اللہ نے ان سے روایت کیا ہے۔ **[التاریخ الاوسط، جلد ۱، صفحہ نمبر ۵۷]**

اس کے علاوہ محققین نے کئی دیگر نسخوں سے سہارہ لیا ہے، جس میں سے بعض نامکمل ضرور ہیں مگر شروع کے دو نسخوں کو نامکمل قرار نہیں دیا گیا۔ کسی کتاب کو تحقیق کے بعد ہی شائع کیا جاتا ہے اور اس کتاب کو بھی نہایت تحقیق ہی کے بعد شائع کیا گیا ہے۔ اس میں حدیث کو 'معلول' قرار دینے کے الفاظ موجود نہیں، معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ کا وہم ہے۔

شیخ کفایت اللہ سنابلی صاحب فرماتے ہیں:

"اگر کوئی کہے کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ کا نقل کردہ قول امام بخاری کی "**تاریخ الاوسط**" میں ہے لیکن اصل کتاب میں "**والحدیث معلول**" کے الفاظ نہیں ہیں۔ تو عرض ہے کہ اس کا زیادہ سے زیادہ مطلب یہ ہوا کہ تاریخ الاوسط کے بعض نسخوں میں یہ عبارت ناقص ہے اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے سامنے تاریخ الاوسط کا جو نسخہ تھا اس میں یہ عبارت مکمل تھی اور نسخوں کا اختلاف عام بات ہے آج بھی مخطوطات کی تحقیق کے وقت کتاب کے دیگر نسخوں سے ناقص عبارت کو مکمل کیا جاتا ہے بلکہ دیگر اہل علم کے منقولات سے بھی نسخوں کی ناقص عبارتیں درست کی جاتی ہے، لہذا امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے سامنے جو نسخہ تھا اس نسخہ میں یہ قول مکمل تھا اور بعض دیگر نسخوں میں یہ قول ناقص ہے لہٰذا تمام نسخوں کو دیکھتے ہوئے یہ عبارت مکمل ہو گی اور حجت ہو گی۔"

[یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ، صفحہ نمبر ۱۰۱]

عرض ہے کہ یہ بات عین ممکن ہے کہ جو نسخہ حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ کے پاس ہو، اس میں غلطی ہو گئی ہو۔ نسخوں میں غلطی ہونا بھی تو ایک عام ہی بات ہے۔ خیر، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ کو وہم ہوا ہے اور انہوں نے اس عبارت کو حافظے سے نقل کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ:

۱۔ اصل نسخوں میں "***لا نعرف أَنَّ أَبَا ذَرٍّ قَدِمَ الشَّامَ زَمَنَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ***" کے الفاظ بعد میں ہیں، حضرتِ معاویہؓ کی امارت اور یزید بن ابی سفیانؓ کی وفات کا تذکرہ پہلے ہے۔ حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ کی عبارت میں ترتیب الٹ ہے۔

۲۔ اسی طرح اصل نسخوں میں "***علیہا معاویۃ***" کے الفاظ ہیں، جبکہ حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ نے "***فَتَوَلَّى مَكَانَهُ أَخَاهُ مُعَاوِيَةَ***" کے الفاظ نقل فرمائے ہیں۔

۳۔ ان نسخوں میں الفاظ '***لا یعرف لأبی ذر قدوم الشام زمن عُمر***" کے الفاظ تھے، جبکہ حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ نے "***ولا نعرف أَنَّ أَبَا ذَرٍّ قَدِمَ الشَّامَ زَمَنَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ***" ہیں۔ ان میں لغوی لحاظ سے فرق موجود ہے۔

۴۔ کتاب کے نسخوں میں یزید بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کا پورا نام ذکر نہیں کیا، بلکہ صرف لفظ 'یزید' استعمال کر لیا تھا۔ اس کے برعکس امام ابنِ کثیر رحمہ اللہ نے حفظ سے جو بات بیان کی ہے، اس میں پورا نام ذکر کیا ہے۔

کیا نسخے اتنے سارے مقامات پر ناقص ہیں؟ ظاہر سی بات ہے کہ حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ نے اس عبارت کو حفظ سے نقل کیا ہے اور اس لیے مفہوم کے طور پر بات بیان کی ہے، کتاب آپ کے سامنے نہیں تھی۔ حفظ کے سبب غلطیاں ہو ہی جاتی ہیں۔ اس کی ایک عمدہ مثال خود حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ کے استاد امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے دی جا سکتی ہے۔ صحیح بخاری کی ام حرامؓ سے مروی حدیث ہے:

أَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ مَدِينَةَ قَيْصَرَ مَغْفُورٌ لَهُمْ

ترجمہ: سب سے پہلے میری امت کا جو لشکر قیصر کے شہر میں جنگ کریگا، اس کے لیے مغفرت ہے۔

[صحیح البخاری، رقم نمبر:۲۹۲۴]

مگر حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس روایت کو جب حفظ سے نقل کیا، تو پوری روایت ہی بدل گئی۔ وہ کہتے ہیں:

قد روى البخاري في صحيحه عن ابن عمر عن النبي صصصانه قال اول جيش يغزو القسطنطينية مغفور له

[مجموعة فتاوى ابن تيمية، جلد ۴، صفحہ نمبر ۴۷۵]

غور کیجیے کہ احادیث کے الفاظ بالکل بدل گئے ہیں۔ ام حرامؓ راوی تھیں جن کو حفظ کی غلطی کے سبب ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ابنِ عمرؓ کی طرف منسوب کر دیا۔ اسی طرح الفاظ میں فرق بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

اس پر مزید مثالیں بھی عنایت کر سکتا ہوں۔ صحیح مسلم و بخاری تک کی احادیث کو آئمہ نے حفظ کے سبب غلط الفاظ میں بیان کر دیا ہے اور آئمہ سے وہم ہونا بالکل ممکن ہے۔ یہ بات حی حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ نے حفظ ہی سے نقل کی تھی، اس لیے اس میں یہ الفاظ آپ کا وہم ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ کی طرف 'معلول' کے الفاظ منسوب کرنا درست نہیں۔

اس بات کا اعتراف شیخ کفایت اللہ سنابلی صاحب کو خود ہے۔ وہ خود اسی کتاب میں ایک مقام پر اعتراف کرتے ہیں کہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے امام ابنِ حبّان رحمہ اللہ کے ایک قول کو اپنے حساب سے سمجھ کر معنوی طور پر اس قول کو نقل کر دیا، جس میں لفظ 'معلل' شامل تھا۔ چونکہ امام ذہبیؒ نے اس قول کو معنوی طور پر نقل کیا، اس لیے ان کی بات غیر راجح ہے۔ **[یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ، صفحہ نمبر ۲۰۰]**

ہم اگر یہی بات حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی اس نقل کردہ 'تعلیل' کے بارے میں قرائن کی روشنی میں کہیں تو اس میں غلط کیا ہے؟ سچ تو یہی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ سے تعلیل سرے سے ثابت ہی نہیں۔

ابو ذرؓ کا شام آنا:

اعتراض: امام بخاری رحمہ اللہ نے جس بات کو 'معروف' کہہ کر ذکر کیا ہے، وہ بات اس روایت کو متن کے اعتبار سے کمزور ثابت کرتی ہے۔ اس پر صحیح الاسناد روایات بھی موجود ہیں۔

جواب: ہم کہتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا اس روایت پر جرح کرنا مقصد ہی نہیں تھا۔ ان کی پوری عبارت کچھ یوں ہے:

والمعروف أن أبا ذر كان بالشام زمن عثمان وعليها معاوية ومات يزيد في زمن عُمَر ولا يعرف لأبي ذر قدوم الشام زمن عُمَر رضي الله عنه

ترجمہ: اور معروف بات یہ ہے کہ ابو ذرؓ حضرتِ عثمانؓ کے دور میں شام تھے جب معاویہؓ وہاں امیر تھے، اور یزید (بن ابی سفیان) کی وفات حضرتِ عمرؓ کے دور میں ہوئی، اور یہ بات معروف نہیں کہ ابو ذر شام حضرتِ عمرؓ کے دور میں آئے تھے (مگر اس روایت سے ان کا اس دور میں شام آنا ثابت ہوا)۔

[التاريخ الأوسط للبخاري، جلد ۱، صفحہ نمبر ۳۹۷]

عرض ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث پر کوئی حکم لگایا ہی نہیں، بلکہ صرف ایک تاریخی بات کی ہے۔ تاریخی بات کے ساتھ لفظ 'معروف' لگا کر صرف یہ بتایا ہے کہ مشہور بات تو یہ ہے کہ ابوذرؓ شام عثمانؓ کے دور میں گئے تھے، مگر اس صحیح روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حضرتِ عمرؓ کے دور میں بھی گئے تھے۔ وہ لفظ 'معروف' کے ذریعے اس روایت کی نفی نہیں، بلکہ روایت کے ذریعے 'معروف' کی نفی کر رہے ہیں۔ اگر تنقیدی نگاہ کے بغیر دیکھا جائے، تو یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے۔

اس نہایت ہی سادہ اور عقلی بات پر شیخ کفایت اللہ سنابلی صاحب کو بہت بُرا لگا اور حد یہ ہے کہ انہوں نے علم الحدیث اور راویوں کی توثیق و تضعیف کے معاملے میں لفظ 'معروف' کو امام بخاری رحمہ اللہ سے نقل کیا اور یہ کہا کہ لفظ معروف کا مطلب یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ خود بھی اس بات میں مانتے تھے۔ 'معروف بالتدلیس' اور اس طرح کی باتوں سے انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جب بھی لفظ 'معروف' آجائے، اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ کہنے والا خود اس معروف بات کی تصدیق کر رہا ہے۔ یہ کوئی کلیہ قاعدہ نہیں کہ لفظ 'معروف' کے استعمال کا مقصد ہی تصدیق ہوتا ہے، بلکہ اس کا تعین بھی عقلی طور پر قرائن ہی کی روشنی میں ہونا چاہیئے۔ اس عبارت میں کوئی قرینہ یہ نہیں بتاتا کہ آپ جرح کر رہے ہیں، اس لیے اس کو جرح کے بجائے اس تشریح کے ذریعے سمجھا جاسکتا ہے جس کو ہم نے پیش کیا۔

مزید براں اس حوالے سے شیخ سنابلی نے صحیح اسناد پیش کرنے کی زحمت فرمائی ہے۔ ان کی پیش کردہ روایت یہ ہے۔ امام بوصیری رحمہ اللہ نے فرمایا:

قال عمد بْنُ يَحْيَى بْنِ أَبِي عُمَرَ: ثنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ- رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ- "أَنَّ رَسُولَ الله – صلى الله عليه وسلم – أَتَى عَلَيْهِ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ مُضْطَجِعٌ فحركه برجله، وقال: يا أباذر، إذا بلغ أالبناء، سلعًا فاخرج، وقال بيديه ضَرَبَ بِهِ نَحْوَ الشَّامِ، وَقَالَ: وَلَا أَرَى أَمَرَاءَكُمْ إِلَّا سَيُحُولُونَ بَيْنَكَ وَبَيْنَ ذَلِكَ. قُلْتُ: يَحُولُونَ بَيْنِي وَبَيْنَ أَمْرِكَ الَّذِي أَمَرْتَنِي بِهِ؟ قالت: نَعَمْ. قَالَ أَبُو ذَرٍّ: يَا رَسُولَ اللَّهِ – صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ –، أَفَلَا آخُذُ سَيْفِي فَأَضْرِبُ بِهِ مَنْ يَحُولُ بَيْنِي وَبَيْنَ أَمْرِكَ الَّذِي تَأْمُرُنِي بِهِ؟ قَالَ: لا، وَلَكِنْ تَسْمَعُ وَتُطِيعُ وَلَوْ لِعَبْدٍ حَبَشِيٍّ، فَلَمَّا بَلَغَ الْبِنَاءُ سَلْعًا وَذَلِكَ فِي إِمْرَةِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ، خَرَجَ أَبُو ذَرٍّ إِلَى الشَّامِ فَمَالَ إِلَيْهِ أَهْلُ الشَّامِ

ترجمہ: امام محمد بن سرین رحمہ اللہ نے ابوذرؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ ان کے پاس آئے اور مسجدِ نبوی ﷺ میں لیٹے ہوئے تھے تو نبی کریم ﷺ نے ان کے قدموں کو ہلایا اور کہا:

"جب عمارتیں سلع پہاڑی تک پہنچ جائیں تو تم مدینہ سے نکل جانا"

اور آپ ﷺ نے دونوں ہاتھوں سے شام کی طرف اشارہ کیا، اور فرمایا ہے کہ امراء تمہارے اور ان کے درمیان حائل ہو جائیں گے۔ اس پر ابوذرؓ نے کہا:

"اس چیز کے درمیان حائل ہو جائیں گے جس کا آپ نے مجھے حکم دیا ہے"

تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"ہاں"

تو پھر ابوذرؓ نے کہا:

"تو کیا میں اپنی تلوار لے کر اسے مار نہ دوں، جو میرے اور اس چیز کے درمیان حائل ہو گا جس کا آپ مجھے حکم دے رہے ہیں؟"

تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"تم سُنو گے اور اطاعت کرو گے، چاہے کوئی حبشی غلام ہی امیر کیوں نہ ہو۔ چنانچہ جب عمارتیں سلع پہاڑی تک پہنچ گئیں اور یہ عثمان بن عفّانؓ کی خلافت میں ہوا تو ابوذرؓ شام کی طرف نکل گئے"

[اِتحاف الخیرة المهرة بزوائد المسانید العشرة، جلد ۵، صفحہ نمبر ۳۰]

ہم کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت بھی قبول ہے اور زیرِ بحث روایت بھی قبول ہے۔ دونوں کو دیکھیں تو واضح سمجھ آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے آپ کو مدینہ سے نکلنے کا حکم دیا تھا جبکہ عمارتیں سلع پہاڑی تک پہنچ جائیں، جہاد وغیرہ کے سفروں میں نکلنے سے ہرگز منع نہیں کیا تھا۔ اس لیے یہ روایت تو کسی بھی طرح سے زیرِ بحث روایت کے خلاف نہیں۔

کفایت اللہ سنابلی صاحب نے استدلال کرتے ہوئے ایک عجیب طریقہ کار اختیار کیا۔ انہوں نے ایک روایت نقل کی:

"ام زرؓ نے کہا: اللہ کی قسم! عثمانؓ نے ابوذرؓ کو مدینے سے نہیں نکالا، بلکہ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد تھا کہ جب عمارتیں سلع پہاڑی تک پہنچ جائیں تو مدینہ سے نکل جانا"

اس سے استدلال یہ کیا کہ:

"معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کے فرمان کی روشنی میں ابوذرؓ عثمانؓ کی خلافت سے پہلے مدینہ سے نکلے ہی نہیں تھے"

[یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ، صفحہ نمبر ۱۹۴]

ربّ العالمین گواہ ہے کہ اس روایت میں ایک حرف بھی ایسا نہیں کہ ابوذرؓ مدینے سے نکلے ہی نہیں تھے، بلکہ صرف اتنی سی بات ہے کہ حضرتِ عثمانؓ نے معاذ اللہ ان کو نہیں نکالا تھا۔

خلاصہ کلام:

اس موضوع پر بہت تفصیل سے کلام ہو سکتا تھا اور بہت سی باتوں کو پیش کیا جا سکتا تھا، مگر اختصار کو پسند کیا گیا ہے تا کہ بات آسان رہے۔ اس تمام بحث کا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ:

۱۔ یہ روایت سند کے اعتبار سے کم از کم حسن ہے۔

۲۔ اس کے تمام راوی ثقہ یا کم از کم حسن الحدیث ثابت ہوتے ہیں۔

۳۔ سند میں عدم اتصال کا شبہ باقی نہیں رہتا۔

۴۔ اس کے متن کی کسی محدث نے تعلیل نہیں کی ہے۔

۵۔ اس کے متن پر کوئی تاریخی نوعیت کا اعتراض بجا نہیں۔